اعاظم رجال میں سے اور کسی میں نظر نہیں آتی۔ تعلیمی و تصنیفی کام بھی اپنی جگہ حد درجہ اہمیت کا حامل ہے اور تزکیۂ نفوس اور مجاہدہ مع النفس کی عظمت سے بھی ہرگز انکار ممکن نہیں، لیکن صدی کے مجدّد کا جامہ اسی پر راست آتا ہے جو ان دونوں میدانوں میں بھی مسلّمہ حیثیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدہ مع الکفار کے میدان میں بھی سرگرم نظر آئے اور قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلے اور دار و رسن کو بھی رونق بخشے۔ اور اس صدی میں ان تینوں پہلوؤں کو اپنی ذات میں بتمام و کمال جمع کرنے والی شخصیت صرف حضرت شیخ الہندؒ کی ہے۔ چنانچہ ان کی ذات سے فکرِ قرآنی کی ایک انقلابی مزاج کی حامل شاخ بھی پھوٹی جس کے گُلِ سرسبد ہیں یہ تینوں حضرات جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

الغرض —— علم و تفسیرِ قرآن اور دعوت رجوع الی القرآن یا تحریک تعلیم و تعلّمِ قرآن کے اس جائزے یا تجزیے میں جو راقم الحروف نے دسمبر ۱۹۷۶ء کے ''میثاق'' میں سپردِ قلم کیا تھا ایک کمی رہ گئی تھی جس کی تلافی ان سطور کی تحریر اور ''**الخلافۃ الکبریٰ**'' کے مقدمے کی اشاعت سے مطلوب ہے!

(میثاق لاہور بابت نومبر دسمبر ۱۹۷۸ء)

❁❁❁

# مقدّمة

# الخلافةُ الکُبریٰ

تالیف: خواجہ عبدالحی فاروقی رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

## تفاسیر پر ایک نظر

### وسعتِ بیان

تفاسیر کا جس قدر ذخیرہ، اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، اس کے دیکھنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فرزندانِ اسلام نے اپنے تہذیب و شائستگی، اور تمدن و حضارۃ کے مبارک عہد میں، قرآن حکیم کے حقائق و معارف، اور بصائر و حکم پر زور دینے اور دنیا کو اس کا حلقہ بگوش بنانے کے لیے کس قدر انتہائی سعی و کوشش سے کام لیا ہوگا، اور اس کی تعلیماتِ صالحہ کی نشر و اشاعت میں کس درجہ ایثار و فدویت کا اظہار کیا ہوگا۔ ان جلیل القدر بزرگوں نے اس کتابِ عزیز کے حقیقی مفہوم و معانی کی تبلیغ و دعوت میں سرفروشانہ اقدام کیا، اور دنیا

کی مختلف زبانوں میں بے شمار تالیفات لکھیں۔ اگر اس وقت ہم تمام زبانوں کی تفسیروں کو نظر انداز کر کے صرف عربی ہی کو لے لیں تو یقین کیجیے کئی ہزار تک ان کی تعداد پہنچے گی۔ ہم اربابِ بصیرت کی ضیافتِ طبع کے لیے صرف چند تفاسیر کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ان کی وسعت بیان کا اندازہ ہو' ملاحظہ کیجیے:

**تفسیر ابن الجوزی**' ۲۷ جلدوں میں ہے۔

**تفسیر الاصبهانی**' ۳۰ جلدوں میں ہے۔ اس کے مؤلف ابومسلم اصفہانی ہیں' جن کی تفسیر کے اقتباسات جابجا تفسیر کبیر میں درج ہیں۔ امام فخر الدین رازی اکثر مقامات پر ان کی ثناخوانی کرتے ہیں۔

**کتاب الجامع فی التفسیر**' ۳۰ جلدوں میں ہے۔

**تفسیر ابن النقیب**' کچھ اوپر پچاس جلدوں میں ہے۔

**کتاب التحریر والتبحیر**' اس کی پچاس سے زائد جلدیں ہیں۔

**تفسیر الادفوی**' علامہ ادفوی قومی' روم کے شہرۂ آفاق عالم تھے' اس تفسیر کے وہی مؤلف ہیں' اس کی ۱۲۰ جلدیں ہیں۔

**تفسیر القزوینی**' تین سو جلدوں میں ہے۔

**تفسیر حدائق ذات بهجه**' پانچ سو جلدوں میں ہے۔

اس وسعت بیان کو دیکھئے' کیا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرے گا کہ یہ تفسیریں کسی زمانہ میں قرآن حکیم کی انسائیکلو پیڈیا (موسوعات) نہ رہی ہوں گی۔ اقوام وامم عالم کی تاریخ ہمارے سامنے ہے' کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اس کثرت کے ساتھ اپنی کسی کتاب کی خدمت کی ہو؟ یہ شرف ومزیت اور خصوصیت کبریٰ صرف قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اس کثرت سے اس کی شرح وتفسیر کی گئی' اس کے احکام وضوابط کی تدوین و ترتیب میں عمریں صرف کی گئیں' کشف سرائر ومجوبات کے لیے تالیفات لکھی گئیں' لیکن پھر بھی اربابِ فہم و بصیرت اور حقیقت شناس حلقوں سے یہی صدائے عشق ووارفتگی بلند ہو رہی ہو کہ **القرآن لا تفنی عجائبه ولا تنقضی غرائبه۔**

## اوائل عہد

عبدالملک بن مروان ۶۵ ہجری میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے اوّلین کام یہ کیا کہ اپنی تمام تر توجہ علوم وفنون کی تدوین کی جانب پھیر دی۔ اطراف واکناف خلافت میں اعلان کر دیا کہ ہر ایک فن پر کتابیں تالیف ہوں۔ علمائے عظام کو دعوت دی اور ان کو تصنیف کی طرف متوجہ کیا۔ سعید بن جبیرؒ سے درخواست کی کہ قرآن کی شرح وتفسیر میں کچھ تحریر کریں۔ وہ اپنے زمانہ کے امام اور تفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔ انہوں نے تفسیر لکھ کر بھیجی' جس کو شاہی کتب خانہ میں جگہ دی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اور زیادہ اس دائرہ کو وسعت دی اور تمام بلاد وامصارِ اسلامی میں احکام نافذ کر دیے کہ سنن واحادیث پر تالیفات تیار ہوں۔

دورِ اوّل میں تفسیر کا طریق نہایت ہی دلآویز اور معنی خیز تھا۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ قرآن میں اخلاق بھی ہے اور فلسفۂ اخلاق بھی' تمدن وحضارۃ کے احکام بھی ہیں اور تہذیب وشائستگی کے اصول وضوابط بھی' تدبیرِ منزل و

سیاستِ مُدن کے آئین وقوانین بھی ہیں اور جہانگیری و جہانداری کے قواعد تنظیم وتشکیل بھی' لیکن اندازِ بیان' طریق تعبیر اور اسلوبِ تحریر کچھ اس درجہ جاذبِ قلوب وانظار واقع ہوا ہے کہ ان علوم سے کوئی واقف ہو یا نہ ہو' جس وقت یہ اعجازی کلمات اس کے کانوں تک پہنچیں گے' اس کی فطرتِ صالحہ اور قلبِ سلیم کا یہی اقتضا رہے گا کہ ہر وقت ان سے حلاوت اندوز رہے اور اس کے دل ودماغ پر حاوی ہوں۔

ابتدائی زمانہ کی تفسیروں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں نہ منطقی دلائل ہیں' نہ فلسفیانہ موشگافیاں' نہ ان کو ریاضیات وطبیعیات سے کوئی سروکار ہے' اور نہ ہیئت ونجوم کے زور سے استدلال وحجت کو قوی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے' صاف صاف اور کھلی کھلی باتیں ہیں' کسی قسم کا خفا اور حجاب نہیں' البتہ اگر ان میں کوئی حقیقت نمایاں اور ممتاز پہلو لیے ہوئے ہے تو وہ عمل کی دعوت ہے اور بس۔ شقیق بن سلمہ اور ابووائل بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ حکومت میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا تھا۔ انہوں نے خطبۂ حج اس انداز سے بیان کیا اور سورۃ النور کی تفسیر اس دلفریب طریق پر کی کہ کفارِ ترک وروم بھی اگر اسے سن لیتے تو یقیناً دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتے اور ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہتا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ سورۃ البقرۃ کی ایسی معنی خیز' مؤثر اور دلآویز تفسیر بیان کی کہ ایک شخص تو بے اختیار پکار اٹھا: **لو سمع ھذا الدیلم لاسلمت** اگر کفارِ دیلم اس کو سن پاتے تو ضرور حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے۔

یہ جو کچھ اوپر لکھا گیا' محض افسانہ ہی افسانہ نہیں' بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے' اور تاریخ کے صفحات اس قسم کے بے شمار امثلہ ونظائر سے پر ہیں۔ غیر مسلم قوموں کو جب کبھی قرآن کی تعلیمات کے سننے اور ان میں درس وفکر کرنے کا موقع ملا تو پھر ان کے مسلمان ہو جانے میں کوئی تامل نہ رہا۔

عہدِ نبوت سے جب تک قُرب واتّصال رہا' تفسیر کا یہی انداز تھا۔ خلفائے اربعہ' عبداللہ بن مسعودؓ' ابن عباسؓ' اُبی بن کعبؓ' زید بن ثابتؓ' ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی دورِ اوّل میں نہایت ہی جلی قلم سے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں' اور باوجود امتدادِ عہد اور استیلائے جہل' ان کی تابنا کی اور درخشندگی میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا ہوا۔

مکہ مبارکہ میں ابن عباسؓ کے شاگردوں کی فہرست تو بہت ہی طویل ہے' لیکن مجاہدؒ' عطاء بن ابی رباح' عکرمہ مولیٰ ابن عباس' سعید بن جبیر اور طاؤس رحمہم اللہ' ان کے ارشد تلامذہ میں شامل اور اس لیے خصوصیت سے مشہور ہیں۔ تفسیروں میں ابن عباسؓ کے جس قدر اقوال ملتے ہیں' وہ سب انہی کی وساطت سے ہم تک پہنچتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کو تیس بار قرآن سنایا ہے۔ کوفہ کی سرزمین' عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی وجہ سے علوم ومعارفِ قرآن کا نشیمن بنی ہوئی تھی۔ اسی طبقہ میں حسن بصری' عطاء بن ابی سلمہ خراسانی' محمد بن کعب قرظی' ابوالعالیہ' ضحاک بن مزاحم' عطیہ' قتادہ' زید بن اسلم' مرہ ہمدانی' ابومالک اور ربیع بن انس رحمہم اللہ ہیں۔

تیسرے دور میں سفیان بن عیینہ' وکیع بن الجراح' شعبہ بن حجاج' یزید بن ہارون' عبدالرزاق' آدم بن ابی ایاس' اسحٰق بن راہویہ' روح بن عبادہ' عبد بن حمید اور ابوبکر بن شیبہ رحمہم اللہ ہیں۔

قرآن حکیم کے نزول کی غرض و غایت یہ تھی کہ جو لوگ اس کی تعلیم پر عمل کریں' ان میں اعلیٰ ترین اخلاق پیدا ہوں' انہیں تمکین فی الارض حاصل ہو اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی اس سے ناآشنا نہ تھے۔ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے شاہِ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی۔ ابوسفیان ان دنوں روم ہی میں تھے' اس نے ابوسفیان سے اسلامی تعلیمات' رسول اللہ ﷺ اور فرزندانِ اسلام کے متعلق مختلف سوال کیے اور آخر میں کہا:

ان يك ما تقول حقا فانه نبي وليبلغن ملكه ما تحت قدمي

''اگر یہ سچ ہے جو تم کہتے ہو' تو وہ نبی ہے' اور اس کی سلطنت ضرور میرے قدموں کے نیچے کی سرزمین تک پہنچے گی۔''

اسی تعلیم کا اثر تھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل کی اولاد شہید کرتی ہے' تو وہ حسب ذیل اشعار پڑھتے ہیں:

لقد جمع الاحزاب حولي والبؤا    قبائلهم واستجمعوا كل مجمع

''انبوہ در انبوہ لوگ میرے گرداگرد اکھٹے ہیں' اور انہوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلا لیا ہے۔''

وكلهم مبدي العداوة جاهد    على لانى فى وثاق بمضيع

''یہ سب کے سب میرے دشمن اور عداوت کا اظہار کرنے والے ہیں' اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں۔''

وقد جمعوا ابناء هم ونساء هم    وقربت من جزع طويل ممنع

''قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا رکھا ہے اور مجھے ایک مضبوط' بلند لکڑی کے پاس لے آئے ہیں۔''

وقد خيروني الكفر والموت دونه    وقد هملت عيناى من غير مجزع

''انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے مجھے آزادی مل سکتی ہے' مگر اس سے تو موت میرے لیے بہت سہل ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو لگاتار جاری ہیں' مگر مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں۔''

فلست بمبد للعدو وتخشعا    ولا جزعا انى الى الله مرجعى

''میں دشمن کے سامنے نہ عاجزی کروں گا' اور نہ روؤں اور نہ چلاؤں گا' میں جانتا ہوں کہ میں اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔''

ومالى حذار الموت انى لميت    ولكن حذارى حجم نار ملفع

''موت سے مجھے اس لیے ڈر نہیں کہ میں مر جاؤں گا' لیکن میں تو لپٹ جانے والی آگ کے خون چوسنے سے ڈرتا ہوں۔''

فذو العرش صبرنى على ما يرادبى    فقد يصنعو الحمى وقد ياس مطمعى

''اس عرش عظیم کے مالک نے مجھ سے کوئی خدمت لینی چاہی اور مجھے شکیبائی کے لیے فرمایا ہے' اب انہوں نے زدوکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ دیا ہے اور میری امید جاتی رہی ہے۔''

فو اللّٰه ما ارجوا ذامت مُسلمًا علی ای جنب کان فی اللّٰه مصرعی

''اللہ کی قسم جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں' تو میں یہ پروانہیں کرتا کہ راہِ خدا میں کس پہلو پر گرتا اور کیونکر جان دیتا ہوں۔''

وذلك فی ذات الاله وان یشاء یبارك علی اوصال شلو ممزعی

''خدا کی ذات سے اگر وہ چاہے تو پوری امید ہے کہ وہ پارہ ہائے گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے۔''

سب سے آخر میں انہوں نے فرمایا:

اللهم بلغنا رسالة رسولك فبلغه ما يصنع بنا

''اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دیے' اب تو اپنے رسول کو ہمارے حال اور ان کی کرتوتوں کی خبر دے دے۔''

یہ نتائج وثمرات تھے قرآن حکیم کی تعلیم وتربیت کے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت خوب جانتی تھی کہ قرآن کا نزول صرف اس لیے ہوا ہے کہ:

(ا) اس کو نہایت ہی غور وخوض سے پڑھیں' اور اس کی آیات میں درس وفکر کریں۔

(ب) جس قدر پڑھیں اس پر عمل پیرا ہوں۔

(ج) قرآن حکیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں۔

خود رسالت مآب ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ:

وَكَانَ يَقْرَأُ بِالسُّوْرَةِ فَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلَ مِنْهَا[1] وَقَامَ بِآيَةٍ يُرَدِّدُهَا حَتَّى الصَّبَاحَ[2]

''رسول اللہ ﷺ سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے' یہاں تک کہ ایک معمولی سورۃ' بڑی سے بڑی سورۃ ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ ایک ہی آیت پر ٹھہر جاتے تھے اور اسی کو بار بار صبح تک پڑھتے تھے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی رائے ہے کہ:

ان الترتيل والتدبر مع قلة القراءة' افضل من سرعة القراءة مع كثرتها' بان المقصود من القراءة فهمه وتدبره والفقه فيه والعمل به وتلاوته وحفظه وسيلة الى معانيه' كما قال بعض السلف نزل القرآن ليعمل به' فاتخذوا تلاوته عملاً ولهذا كان اهل القرآن هم العالمون والعاملون بما فيه وان لم يحفظوه عن ظهر قلب' واما من حفظه ولم يفهمه ولم يعمل به فليس من اهله' وان اقام حروفه

(۱) صحيح مسلم' كتاب صلاة المسافرين وقصرها' باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا......

(۲) مفتاح دار السعادة لابن القيم ۱/۵۵٤۔

اقامة السهم واما مجردة التلاوة من غیر فهم ولا تدبر فیفعلها البرد والفاجر' والمؤمن' والمنافق' کما قال النبی ﷺ: ((مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا مُرٌّ))(۱) وقال شعبة حدثنا ابوحمزة قال قلت لابن عباس' انی رجل سریع القراء ة' وربما قراء ت القرآن فی لیلة مرة او مرتین فقال ابن عباس لان اقرا سورة واحدة اعجب الی من ان افعل ذلك الذی تفعل' فان کنت فاعلا لابد فاقرآ قراءة تسمع اذنیك ویعیه قلبك' قال ابن مسعود قفوا عند عجائبه وحرّکوا به القلوب ولا یکن ھم احدکم آخر السورة وقال عبد الرحمٰن بن ابی لیلی دخلت علی امرأة وانا اقرأ سورة ھود فقالت یا عبد الرحمٰن! ھکذا تقرأ سورة ھود واللّٰہ انی فیھا منذ ستة اشھر وما فرغت من قراء تھا۔

''آہستہ پڑھنا اور غور کرنا' جس میں قرآن اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے' یہ اس سے بہتر ہے کہ جلدی اور زیادہ پڑھا جائے' کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے' تاکہ اس پر عمل ہو سکے۔ اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا' معانی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ بعض سلف نے کہا ہے کہ قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے' مگر لوگوں نے اس کی تلاوت کو ایک مستقل عمل بنا لیا' اسی لیے گزشتہ طبقات میں اہلِ قرآن وہی سمجھے جاتے تھے جو قرآن کے عالم اور عامل تھے' اگرچہ ان کو زبانی حفظ نہ بھی ہوتا تھا' لیکن جس شخص نے قرآن کو یاد کیا اور اس کے مطالب نہ سمجھے' نہ ان پر عمل کیا' تو وہ اہل قرآن سے نہیں ہے' اگرچہ اس کے حروف کو تیر کی طرح اس نے درست کر لیا' اور وہ تلاوت تو ہر نیک و بد' مؤمن و منافق کر سکتا ہے جو فہم و تدبّر سے خالی ہو۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا: ''قرآن پڑھنے والے منافق کی مثال ریحان کی ہے جس کی بو عمدہ اور مزا کڑوا ہے''۔ شعبہ نے کہا: ابوحمزہ نے ابن عباسؓ سے عرض کیا: میں تیز پڑھنے والا ہوں' بعض اوقات ایک ہی شب میں ایک دو مرتبہ قرآن ختم کر دیتا ہوں۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ مجھے ایسے قرآن پڑھنے سے ایک سورت پڑھنا بہتر معلوم ہوتی ہے' بہرحال اگر تم تیزی ہی سے پڑھنا چاہو تو بھی ایسا پڑھو کہ تمہارے کان سنیں اور تمہارا دل اسے یاد کر لے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے: قرآن کے عجائب پر ٹھہرو' اور ان سے دلوں کو حرکت دو' اور تمہاری یہ کوشش نہ ہو کہ خواہ مخواہ آخر سورۃ تک پہنچو۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک عورت کے پاس گیا اور میں سورۂ ھود پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا: اے عبدالرحمٰن! تم اس طرح سورۂ ھود پڑھتے ہو! اللہ کی قسم' میں چھ مہینے سے اس سورۃ کو پڑھ رہی ہوں اور اب تک اس سے فارغ نہیں ہوئی۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان الرجل منا اذا تعلم عشر آیات لم یجاوزھن حتی یعرف معانیھن والعمل بھن' وقال ابوعبد الرحمٰن اسلمی حدثنا الذین کانوا یقرءوننا انھم کانوا

(۱) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب اثم من راء ی بقراء ة القرآن...... وصحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین وقصرھا' باب فضیلة حافظ القرآن۔

یستقرءون من النبی ﷺ، وکانوا اذا تعلموا عشر آیات لم یخلفوها حتی یعلموا بما فیھا من العمل فتعلمنا القرآن والعمل جمیعًا

''جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے آگے نہ بڑھتا' جب تک ان کے معانی اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتا۔ ابوعبدالرحمٰن اسلمی نے فرمایا ہے کہ ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا جو ہم کو پڑھاتے تھے' اور وہ رسول ﷺ سے پڑھا کرتے تھے' جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تو ان سے تجاوز نہ کرتے' جب تک ان پر عمل نہ کر لیتے' لہٰذا ہم نے قرآن اور اس پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے۔''

اس پاک گروہ کی نظر صرف اسی پر نہ تھی بلکہ وہ اس امر پر بھی غور وفکر کرتے کہ تعلیم قرآن سے قبل ہماری کیا حالت تھی' اور اب اس سے کس قسم کے انقلابات وتغیرات رونما ہوئے ہیں' اس لیے ان لوگوں نے اس حقیقتِ کبریٰ پر مہر لگا دی کہ:

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا

''اس اُمت کے آخری حصہ کی اصلاح فقط اسی چیز سے ہوگی' جس سے اس کے اوّل کی اصلاح ہوئی۔''

**جدید راہ**

اب ایک نیا دور شروع ہوا' ایک ایک آیت کے لیے متعدد مطالب اور مختلف روایات ذکر کی جانے لگیں' جن میں سے بعض تو یقیناً قابلِ قبول اور لائق استناد تھیں' مگر بیشتر غلط اور موضوع' رد وقبول کے محک پر ان کے پرکھنے کی ضرورت تھی' تاکہ کھوٹے اور کھرے میں' غث اور سمین میں فرق وامتیاز ہو جائے اور حق و باطل میں التباس واشتباہ باقی نہ رہے۔ ان بزرگوں نے مختلف اقوال کو صرف اس لیے جمع کر دیا تھا کہ آیات کے مفہوم میں جس قدر ممکن سے ممکن اقوال منقول ہوں' یا ہو سکتے ہوں اور جس قدر زیادہ سے زیادہ مواد فراہم ہو سکتا ہو' ناظرین کے روبرو بغیر حک واضافہ کے تمام وکمال پیش کر دیا جائے اور ہر ایک سخن شناس طبیعت کے لیے اس امر کا موقع حاصل رہے کہ وجدانِ سلیم' ذوقِ صحیح اور اصول وتفسیر کی امانت سے ان اقوال کو جرح وتعدیل کے میزان میں تولے اور نقد واختیار کے بعد جس کو چاہے ترجیح دے اور جسے چاہے مرجوح قرار دے۔

چنانچہ تیسری صدی ہجری میں علامہ ابوجعفر بن جریر طبری نے اپنی مشہور تفسیر لکھی جس کی نسبت علامہ ابوحامد اسفرائنی کی رائے یہ ہے کہ:

لو سافر رجل الی الصین حتی یحصل لہ کتاب تفسیر محمد بن جریر لم یکن ذلك کثیرا

''تفسیر ابن جریر کی تلاش میں اگر ایک شخص چین تک کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔''

ابن جریر کی وفات کو ایک ہزار برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے' وہ ہر ایک بات میں روایت کے پابند ہیں' ان کا خاص مذاق یہی ہے کہ حدیث کے نام سے خواہ کیسی ہی لغو اور مہمل بات کہی جائے' سب پر ایمان لانے کو تیار ہو جاتے ہیں' اور نہیں دیکھتے کہ حقیقتِ اصلیہ کیا تھی' اور عقلِ سلیم کہاں تک اس کو قبول کرنے کو تیار ہوگی۔ ایک ایک آیت کے متعلق مختلف اقوال وروایات پیش کرتے ہیں' اور بعض اوقات ترجیح بھی دے جاتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین نیشاپوری ہیں' ان کی وفات ۴۱۲ ہجری میں ہوئی۔

انہوں نے ''تفسیر حقائق'' لکھی اور ربط و یابس روایات و مطالب کا ایک انبار جمع کر دیا۔ یہی حال ابواسحٰق احمد ثعلبی کا ہے۔ ابومحمد عبداللہ جوینی' ابوالقاسم عبدالکریم قشیری' اور ابوالحسن بن احمد اسی طبقہ میں شامل ہیں۔ اس صدی کی تفسیروں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ان میں روایات تو بیان کی جاتی ہیں مگر ان کے اسناد کو حذف کر دیا جاتا ہے' چنانچہ کشف الظنون میں ہے:

ثم الف فی التفسیر طائفة من المتاخرین' فاختصروا الاسانید ونقلوا عن الاقوال تبراء' فدخل من هنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل' ثم صار کل من سخ له قول یورده ومن خطر بباله شیء یعتمده ثم ینقل ذلك خلف عن السلف ظاناً ان له اصلاً غیر ملتفت الی تحریر ماورد عن السلف الصالح

''اس کے بعد متاخرین میں سے ایک جماعت نے تفسیریں تالیف کیں' اور اسنادوں کو مختصر کر دیا۔ بہت سے اقوال نقل کیے' یہاں سے زائد باتیں داخل ہونے لگ گئیں اور صحیح وضعیف آپس میں ملتبس ہو گئے۔ اس کے بعد جس کسی کو جو بات معلوم ہوئی وہی درج کر دی اور جو کچھ اس کے خیال میں آیا اسی پر اعتماد کر لیا۔ اس کے بعد ہر پچھلا طبقہ' اپنے متقدمین سے نقل کرنے لگا' اس خیال سے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اس کی اصلیت ہو گی' انہوں نے اس کی تحقیق نہ کی کہ سلف صالح سے اس میں کیا منقول ہے۔''

ان غلط اور بے بنیاد روایات کا اندازہ علامہ سیوطی کے صرف اس ایک قول سے ہوسکتا ہے کہ:

رأیت فی تفسیر قوله تعالی غیر المغضوب علیهم ولا الضالین نحو عشرة اقوال مع ان الوارد عن النبی ﷺ وجمیع الصحابة والتابعین لیس غیر الیهود والنصاری

''میں نے **غیر المغضوب علیهم ولا الضالین** کی تفسیر میں دس مختلف اقوال دیکھے ہیں' حالانکہ رسول اللہ ﷺ' جمہور صحابہ اور جملہ تابعین سے یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی دوسرا قول بھی روایت نہیں کیا گیا۔''

## مابعد کی تفسیریں

جس قدر زمانہ بڑھتا گیا اور عہد نبوت سے بُعد و ہجر ہوتا گیا' تفسیر کی صورت بھی نمایاں تبدیلیاں اختیار کرتی گئی اور انجام کار ایسا انقلاب عظیم پیدا ہوا کہ جن مطالب اور روایات کے حق میں محکمہ تحقیق کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ قابلِ قبول نہیں ہیں وہی زیادہ مشہور ہو گئیں' اور عام طبائع نے ان کو شرف اجابت بخشا۔ ہر بات میں پیچیدگی' مشکل پسندی اور عجائب پرستی کا طومار بھر گیا۔ حکمت و فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں دکھائی دینے لگیں۔ معانی و بیان کے حقائق بیان کیے جانے لگے اور ہیئت و نجوم کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر ہونے لگی' مگر جس قدر ان چیزوں میں زیادتی ہوتی گئی اتنی ہی قرآن سے دوری ہوتی گئی اور منشائے قرآن کی خصوصیت میں فرق آتا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ مفسرین کرام کی زندگی کا مقصد وحید اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اس کتاب عزیز کے اَسرار و معارف کی نشر و اشاعت ہو' اور اس کے مفہوم و معانی کی تبلیغ و دعوت ہو' لیکن جب ان تفسیروں میں بحث و نظر کی جاتی ہے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ﴿لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴾ (الغاشیة)۔ تفسیر کبیر ہی کو اٹھا کر دیکھ لیجیے' اس میں بطلیموسی ہیئت و نجوم اور فلسفۂ یونان کے سوا کیا دھرا ہے' مخالفین کے شبہات

بیان کریں گے اور اپنا تمام زور استدلال ان کی تقویت میں صرف کر دیں گے' لیکن جواب کے وقت اس درجہ ضعف و کمزوری کا اظہار کریں گے کہ پڑھنے والے کے دل میں وہ شبہ اور زیادہ قوی ہو جائے گا۔ بعض ارباب نظر و بصیرت کو خود امام فخر الدین رازی کے اسلام ہی میں تردّد ہے' مگر یہ خیال تو درست نہیں' البتہ اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ اس میں دنیا جہاں کی باتیں ہیں مگر تفسیر نہیں' جو اس کا اصلی موضوع و مقصد تھا' چنانچہ آگے چل کر آپ کو بعض اکابر کی رائے ان کی تفسیر کے متعلق معلوم ہو گی۔ پس اگر بعض نکتہ سنج طبائع کا یہ مطالبہ ہو کہ اس زمانہ میں تفسیر کبیر کا پڑھنا بے سود ہے تو شاید کچھ لوگ ان کی تائید کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔

قرآن کا نزول تو اس لیے ہوا تھا کہ اس کے درس و فکر سے حیاتِ انفرادی و اجتماعی میں انضمام و توحید پیدا ہو' ہر مسلم قانت کی تشنہ لبی دور ہو' اور ہر ایک فرزند اسلام اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائے' مگر ان تفاسیر سے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ لوگوں نے ان تفاسیر کا درس و مطالعہ شروع کیا' حالانکہ ضرورت تھی قرآن حکیم کی تلاوت کی' پس وہ چشمہ حیات سے بہت دور جا پڑے اور اب تو بعض کے نزدیک خود قرآن کا درس ممنوع و ناجائز ہے' ﴿يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ (مریم)۔ پنجاب کے ایک جلیل القدر سجادہ نشین کی رائے ہے کہ **الحمد** کے صرف الف کے معانی و مطالب معلوم کرنے کے لیے ۳۶۰ علوم کی ضرورت ہے۔ **ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ** ع "مدارِ روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کن!"

دنیا میں ہمیشہ تغیرات و انقلابات رونما ہوتے رہتے ہیں' تمام اقوام و امم عالم بھی ادوارِ مختلفہ سے گزرتی رہتی ہیں۔ فنِ تفسیر بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہ رہ سکا۔ ہر زمانہ میں اس کا رنگ بدلتا گیا اور اب تو اس میں ایسی ایسی تبدیلیاں واقع ہو گئیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ابتدا میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ محدثین نے قرآن حکیم کی آیات کے مناسب تمام ان احادیث' مرویاتِ صحابہؓ اور اقوالِ تابعین کو ایک جگہ جمع کر دیا' جن سے اخذ مطالب اور فہمِ قرآنی میں سہولت و آسانی ہوا اور وہ تمام بصائر و حکم سامنے آ جائیں جو براہِ راست مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوں۔ ان کے بعد معتزلہ کا گروہ سامنے آتا ہے جنہوں نے فلسفۂ یونان سے مرعوب و ہیبت زدہ ہو کر تمام آیاتِ صفات کی تاویل شروع کر دی' اور متبادر معانی و مطالب کو ترک کر کے بعید از فہم حقائق کی جانب متوجہ ہو گئے۔ نکتہ آفرینیوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا دروازہ کھول دیا' اور اس طرح ہمیشہ کے لیے الحاد و زندقہ' فتنہ و فساد' اور توجیہہ و تاویل کا باب مفتوح کر دیا۔ فلسفہ کی نشر و اشاعت نے عقائد و اخلاق میں اور زیادہ تزلزل پیدا کر دیا۔ متکلمین آگے بڑھے اور ہر شبہ کا جواب دینے لگے۔ اس لیے قرآن کی شرح و تفسیر' علم کلام کے مطابق ہونے لگی۔ فقہاء کے گروہ نے صرف استنباطِ احکام و اخذ مسائل ہی کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیا اور ان کی سعی و کوشش یہیں تک محدود رہی۔ اربابِ لغت نے دوسری حیثیت سے نظر ڈالی۔ علمائے نحو کے سامنے یہی فن تھا' اسی کی خاطر انہوں نے کلامِ عرب سے شواہد کی تلاش و جستجو کی اور صرف بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تین ہزار ترکیبیں بیان کر دیں۔ اہلِ سلوک و احسان نے صرف تصوف کو اپنی غایت الغایات یقین کر کے قرآن حکیم کو تصوف کے قالب میں ڈھال دیا۔ ظواہر کو چھوڑ کر بطون کے پیچھے پڑ گئے اور مغز کو پھینک کر محض چھلکے پر قناعت کر بیٹھے۔ سب سے زیادہ نقصان اسلام کو اس ہندوانہ تصوف سے پہنچا' اور لوگ تو اب تک اس کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ!!

فاران کی چوٹی پر نزولِ الہام اس لیے ہوا تھا کہ مسلمانوں کے لیے قانونِ اساسی کے طور پر کام دے' مگر زمانہ کی نیرنگ سازی ملاحظہ ہو کہ وہ اب ہر کس و ناکس کی رائے و خیال کا دست خوش بن گیا اور ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق اس کی تفسیر کرنے لگا۔ اس بے اصول خطرناک آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کا بہت بڑا حصہ زید و عمر کے اقاویل اور شیخ و سید کے اباطیل و اکاذیب کا ذخیرہ بن گیا۔ آیاتِ احکام کے مفہوم متعین کرنے میں ''اِعجابُ کُلِّ ذِی رأیٍ برأیه'' کی آمیزش ہونے لگی۔ وسعتِ معلومات' اسلوبِ تحریر' اور نہجِ بیان ظاہر کرنے کے لیے تفسیر قرآن میں مفروضات و تخیلات کی جس قدر جولانی دکھاتے بنی اچھی طرح دکھائی گئی اور یہ خیال نہ آیا کہ ہم تلاعُب بالقرآن کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ نظامی شاعر تھے' مگر وہ بھی اس دردانگیز حسرت خیز منظر کو نہ دیکھ سکے' بے تاب ہو گئے اور ان الفاظ میں رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی:

دین ترا درپے آرائش اند     درپے آرائش و پیرائش اند<br>
بسکہ بروبستہ شدہ برگ و ساز     گر تو بہ بینی نہ شناسیش باز

یہ کیفیت ہمیں چھٹی صدی ہجری تک تو نظر آتی ہے کہ احساس تو ہے' اگرچہ اس وقت بھی اس عالم آشوب طوفان کے روکنے کی کوئی صورت نہ تھی' لیکن بعد کو تو اس قدر استیلائے کفر و ضلالت ہوا کہ اتنی حس و بیداری بھی باقی نہ رہی۔ غوغائے عجمیت میں یہ فریاد بھی کسی کی زبان سے نہ نکل سکی۔ وہ دینِ فطرت' جو حجاز کی وادیوں میں اپنے اصلی حسن و جمال کے ساتھ دلفریبی اور کشش کا باعث تھا' اس پر مجوسیوں کی عجائب پرستیاں' یہودیوں کے دور از کار افسانے اور بت پرستوں کے رسم و رواج چھا گئے' اور اب ہمارا زمانہ آیا تو دودھ سے پانی کا جدا کرنا سخت ترین کام ہو گیا۔ دقت آفرینی اور عجائب پسندی کی بنیاد پر جو جو شاخیں نکلیں' جیسے جیسے شگوفے پھوٹے اور تفسیروں میں جس نہج پر اس قسم کی روایتیں پھلی پھولیں' ان کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قلم میں طاقت نہیں کہ ان کو تحریر میں لا سکے۔

ابوالفیض فیضی اکبری دربار کے نورتن تھے' قدرت سے طبیعت نکتہ سنج پائی تھی' ''سواطع الالہام'' قرآن کی تفسیر لکھی' جس میں یہ التزام کیا گیا کہ تمام تفسیر میں اوّل سے آخر تک ایک لفظ بھی منقوط نہ ہو۔ اس نفسانی ہیجان کو پورا کرنے کے لیے انہیں جس قدر اپنی طبیعت پر زور ڈالنا پڑا' ان کے اندازِ تحریر سے ظاہر ہے۔ عبارتوں کی عبارتیں' فقروں کے فقرے' اور ترکیبوں کی ترکیبیں' یکے بعد دیگرے چلی آ رہی ہیں' جن میں باہم کوئی ربط و تعلق نہیں' ایک بے معنی کلام ہے' جس کے لیے دلآویز و دلفریب ترکیبوں اور جملوں کی تلاش ہو رہی ہے' صورت ہے لیکن معنی نہیں' جسم ہے مگر روح سے خالی' ایک حی و قائم انسانی وجود ہے' جس کے تمام اعضاء و جوارح کاٹ دیے گئے ہیں۔

شیخ علی بن احمد مہائم ضلع گجرات کے رہنے والے تھے' ان کی وفات ۸۳۵ ہجری میں ہوئی۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے بے انتہا ثنا خواں اور مسئلہ وحدت الوجود میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ انہوں نے ''تفسیر رحمانی'' لکھی۔ چونکہ تصوف میں ذوق رکھتے تھے' اس لیے قرآن حکیم کی تفسیر اسی صوفیانہ رنگ میں کی۔ آیات کا مطلب احسان و سلوک کے رنگ میں بیان کیا۔ قرآن کی نظم و ترتیب پر بھی روشنی ڈالی تو یہی چیز غالب رہی۔ انہیں اس امر کا خیال نہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ محض تصوف ہی سکھانے کے لیے نہ آئے تھے بلکہ وہ مثیلِ موسیٰ

بھی تھے اور آپ ﷺ کی بعثت کی غرض و غایت یہ تھی کہ فرزندانِ اسلام شہداء علی الناس بن جائیں اور خلافت ارضی کے جائز وارث قرار پائیں۔

ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی آئے۔ انہوں نے ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''انوار التنزیل واسرار التاویل'' ہے۔ عربی مدارس میں اس کا ابتدائی حصہ درس میں شامل ہے۔ اکثر علماء نے اس پر حواشی بھی تحریر کیے ہیں۔ تفسیر کی کیفیت یہ ہے کہ فن معانی' بدیع' اور بلاغت میں جو کچھ لکھتے ہیں' جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف سے لیتے ہیں اور بغیر حریت رائے و اجتہاد کے اس کی تقلید کرتے ہیں۔ فلسفہ وکلام کے مسائل کی نوبت آتی ہے تو فخر الدین رازی سے طالب اعانت ہوتے ہیں۔ جب مفرداتِ الفاظ اور اشتقاق کے مباحث سامنے آتے ہیں تو امام راغب اصفہانی کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

ہم نے اوپر جو کچھ لکھا' اس سے ان جلیل القدر بزرگوں کی تفضیح و تنقیص مقصود نہیں بلکہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جس کا اظہار ضروری تھا' **الساكت عن الحق شيطان أخرس**۔ اور پھر اس وادی میں ہم ہی اکیلے نہیں بلکہ دوسرے اربابِ بصیرت بھی ہمارے رفیق طریق ہیں۔ چنانچہ صاحب کشف الظنون کی رائے ملاحظہ ہو:

ثم صنف بعد ذلك قوم برعوا فى شىء من العلوم' وملأ كتابه بما غلب على طبعه من الفن واقتصر فيه على ما تمهر هو فيه' كان القرآن انزل لاجل هذا العلم لا غير مع ان فيه بيان كل شىء فالنحوى تراه ليس لهم الا الاعراب وتكثير الاوجه المحتملة فيه وان كانت بعيدة وينقل قواعد النحو ومسائله وفروعه دخلافياته كالزجاج والواحدى فى البسيط وابوحيان فى البحر والنهر' والاخبارى ليس له شغل الا القصص واستيفاء ها والاخبار عن سلف سواء كان صحيحة او باطلة' ومنهم الثعلبى' والفقيه يكاد ليرد فيه الفقه جميعًا وربما استطرد الى اقامة ادلته الفروع الفقهية التى لا تعلق لها بالآية اصلا والجواب عن ادلة المخالفين كالقرطبى' وصاحب العلوم العقلية خصوصاً الامام فخر الدين قد ملأ تفسيره باقوال الحكماء والفلاسفة وخرج من شىء الى شىء حتٰى يقضى الناظر العجب' قال ابوحيان فى البحر' جمع الامام الرازى فى تفسيره اشياء كثيرة طويلة لا حاجة لها فى علم التفسير' ولذلك قال بعض العلماء وفيه كل شىء الا التفسير' والمبتدع ليس له قصد الا تحريف الآيات وتسويتها على مذهبه الفاسد بحيث انه لولاح له شاردة من بعيد اقتنصها او وجد موضعا له فيه ادنى مجال سارع اليه والملحد فلا تسئل عن كفره والحاده فى آيات اللّٰه وافترائه على اللّٰه ما لم يقله' ومن ذلك القبيل الذين يتكلمون فى القرآن بلاسند ولا نقل عن السلف ولا رعاية الاصول الشرعية والقواعد العربية كتفسير محمد بن حمزة الكرمانى فى مجلدين' سماه العجائب والغرائب ضمنه اقوالاً هى عجائب عند العوام

وغرائب عما عهد عن السلف بل هي اقوال منكرة لا يحل الاعتقاد عليها ولا ذكرها الا للتحذير من ذلك وسئل البلقيني عمن فسر بهذا فافتى بانه ملحد واما كلام الصوفية في القرآن فليس بتفسير قال ابن الصلاح في فتاواه وجدت عن الامام الواحدي انه قال صنف السلمي حقائق التفسير ان كان قد اعتقد ان ذلك تفسير فقد كفر' قال النسفي في عقائده النصوص تحمل على ظواهرها والعدول عنها الى معاني يدعيها اهل الباطن الحاد (کشف الظنون' ج۲' ص )

''اس کے بعد ایسے لوگوں نے تصنیف کی جنہوں نے کسی ایک علم میں فوقیت حاصل کی ہے' اور اپنی کتاب کو اسی فن سے بھر دیا ہے' جو اس کی طبیعت میں غالب تھا' اور محض اسی پر اکتفا کیا جس میں اس نے مہارت حاصل کی تھی۔ گویا قرآن صرف اسی علم کے لیے نازل ہوا تھا' حالانکہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے' نحوی کو فقط اعراب اور وجوہ ترکیب ہی پیش نظر ہیں' اگرچہ وہ بعید ہی کیوں نہ ہوں' وہ نحو کے قواعد' مسائل فروع اور خلافیات ہی کو داخل کرے گا۔ جس طرح زجاج و واحدی نے بسیط میں اور ابوحیان نے بحر اور نہر میں کیا ہے۔ اخباری کو صرف قصے اور ان کی تکمیل ہی پیش نظر رہتی ہے۔ گزشتہ قصوں کا خیال رہتا ہے خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط' ثعلبی ان لوگوں میں سے ہیں۔ فقیہہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ساری فقہ داخل کر دے' بسا اوقات فقہیہ' فرعیات فقہ کی دلیلیں لاتا ہے' حالانکہ نفس آیت سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا اور پھر مخالفین کے جواب بھی نقل کر دیتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں سے قرطبی ہیں۔ اربابِ علومِ عقلیہ میں امام رازی ہیں' جنہوں نے اپنی تفسیر کو حکماء اور فلاسفروں کے اقوال سے بھر دیا ہے اور کہیں سے کہیں چلے جاتے ہیں' جس سے دیکھنے والا تعجب میں رہ جاتا ہے۔ ابوحیان نے بحر میں کہا ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں درج کر دیں جن کی علم تفسیر میں کچھ ضرورت نہ تھی۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ امام رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں۔ ایک بدعتی کی غرض آیتوں کی تحریف ہوتی ہے تاکہ ان کو اپنے فاسد مذہب پر منطبق کرے' یہاں تک کہ اگر اسے کوئی دور کی بات بھی سوجھتی ہے تو اسے لے لیتا ہے یا اگر کوئی ایسا موقعہ پاتا ہے جس میں اس کی کچھ بھی بات بن سکے تو فوراً بنالیتا ہے' اور ملحد کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ خدا کی نسبت جھوٹ بناتا ہے جو اس نے بالکل نہیں کہا' اور جو لوگ قرآن میں بلا سند' سلف صالحین کے اقوال کے ماسوا' قواعد عربیہ اور اصول شرعیہ کے بغیر کچھ کہتے ہیں' وہ سب اسی قسم میں شامل ہیں۔ محمود بن حمزہ کرمانی کی تفسیر دو جلدوں میں اسی قسم کی ہے' جس کا نام العجائب والغرائب رکھا ہے۔ اس میں ایسے اقوال نقل کیے ہیں جو عوام کے نزدیک عجیب اور طریق سلف سے دور ہیں' بلکہ ایسے ہیں کہ ان پر اعتقاد ہی جائز نہیں اور ان کا ذکر تحذیر کے سوا ناجائز ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق بلقینی سے فتویٰ طلب کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ایسے مفسّر ملحد ہیں اور قرآن کے بارہ میں صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں۔ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ اس نے امام واحدی سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ سلمی نے حقائق التفسیر لکھی ہے' جو شخص اس کو تفسیر کہے وہ کافر ہے۔ نسفی نے اپنے عقائد میں کہا کہ نصوص کو اپنے ظواہر پر محمول کیا جائے گا اور ان سے اہل باطن کے معانی کی جانب پھرنا الحاد ہے۔''

اس قسم کی تفاسیر کے درس و مطالعہ اور بحث و نظر نے ہماری تمام قوتوں پر عالمِ ممات طاری کر دیا۔ چونکہ

انسان منفعل اور اثر پذیر واقع ہوا ہے' اس لیے عام لوگوں نے تعطل کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی اور آخر یہ کہنا پڑا کہ **لم یبق من الاسلام الا رسمه۔**

## الفاظ کی غلط تعبیر

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن حکیم کے اکثر الفاظ کے حقیقی مفہوم و معانی بدل دیے گئے۔ لسانِ الٰہی نے ان کو جن مواقع پر استعمال کیا تھا اور جو مطالب صاحبِ شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے پیشِ نظر تھے' وہ بالکل فراموش کر دیے گئے۔ ہم مثال کے طور پر چند الفاظ پیش کرتے ہیں:

**(۱) توکّل**' عام لوگوں کے نزدیک اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ ایک انسان' بیکاروں اور اپاہجوں کی زندگی بسر کرے' ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے' کوئی کام نہ کرے' لوگوں کے صدقات و خیرات اور نذر و ہدایا پر نظر رکھے۔ لیکن قرآن اس کا مفہوم بالکل جداگانہ بتاتا ہے۔ اُس کے نزدیک توکّل کے یہ معنی ہوں گے کہ مشکلات و مصائب کے وقت ہمت و استقلال' عزم و ثباتِ قدم اور جوشِ صادق و ولولہ عمل کے ساتھ مصروفِ کار رہو۔ نتائج و ثمرات کی طرف سے خوف زدہ ہو کر اپنے فرائض حیات کو ترک نہ کر دے' بلکہ خدائے حق نواز سے پوری توقع رکھے کہ وہ ضرور کامیابی نوازش کرے گا' چنانچہ فرمایا:

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾﴾ (المائدۃ)

''وہ لوگ لگے کہنے' اے موسیٰ! اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں' اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے نہیں۔ ہاں وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمی تھے جن پر اللہ نے اپنی خاص مہربانی کی' وہ بول اٹھے کہ ان پر چڑھائی کر کے دروازے میں گھس پڑو' اور جب تم دروازہ میں گھس پڑو تو بلاشبہ تمہاری فتح ہے۔ اور تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ پر توکل کرو۔''

**(۲) صبر**' مشہور یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی تکلیف و مصیبت آ پڑے تو غم کا اظہار نہ کریں۔ ذلتوں اور رسوائیوں کے برداشت کرنے کی عادت ڈال لیں' پٹیں اور اُف نہ کریں' سب طرف سے لعنت و نفرین ہو' اور ہم خاموش بیٹھ کر سنا کریں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ صحیح اصول اور مقاصدِ صالحہ کو پیش نظر رکھ کر کام کرتے وقت جس قدر بھی تکالیف و شدائد آئیں ان کو برداشت کریں' باوجود ان آلام و مصائب کے اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں' کام برابر جاری رکھیں اور رکاوٹوں سے گھبرا کر اپنے آپ کو بے دست و پا نہ بنا لیں۔ حسب ذیل آیتیں اس مفہوم کی تائید کرتی ہیں:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾﴾ (آل عمران)

''اور بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں' جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لوگ دشمنوں سے لڑے' تو جو مصیبت ان کو اللہ کی راہ میں پہنچی اس کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ بودا پن کا اظہار کیا اور نہ دشمنوں کے آگے عاجزی کا اظہار کیا۔ اور اللہ صابروں کو دوست رکھتا ہے۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران)

''اے ایمان والو! اپنے مقصد پر مرمٹو' دوسروں کو مرنے کے لیے تیار کرو' دشمنوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرو' اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

قرآن حکیم اربابِ صبر واستقامت سے کم از کم اتنی توقع ضرور رکھتا ہے کہ اپنے سے دگنی طاقت کا مقابلہ کر سکیں:

﴿فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال)

''اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے ایسے ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے وہ دو ہزار (کافروں) پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔''

**(۳) تقدیر**' اس عقیدہ کے غلط مفہوم نے بھی مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں کچھ کم حصہ نہ لیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ جب سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے تو ہمیں کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے' انفرادی واجتماعی زندگی کے بقا وقیام کے لیے کوشش کرنا ترک کر دی' بیکاروں اور اپاہجوں کا ایک گروہ بن گیا اور بے دست و پا بن کر دوسروں کے لیے باردوش ثابت ہوئے' لیکن یقین کیجیے کہ اسلام کبھی اس سے آلودہ دامن نہیں ہوا' اس کی تعلیم کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مسلمان تعطل و بیکاری کی زندگی بسر کریں' بلکہ وہ تو یکسر پیغامِ عمل ہے' اس نے اپنے نزول کے اوّلین روز بہانگِ دہل اس امر کا اعلان کر دیا کہ:

﴿لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى﴾ (النجم)

''انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی۔ اور یہ کہ اس کی کوشش آگے چل کر دیکھی جائے گی۔''

پھر فرمایا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال)

''جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس نیکی کو دیکھ لے گا' اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۳۴)

''ان کا کیا ان کو' اور تمہارا کیا تم کو۔''

گویا اس نے ہر ایک کے سامنے دعوتِ عمل پیش کی' اور بتا دیا کہ یہ صرف انسان کی اپنی سعی و کوشش ہے جو اچھے اور برے نتائج پیدا کرتی ہے۔ ((اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ))[1] میں اسی حقیقت کو واضح کیا۔

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم الظلم۔

قرونِ اولیٰ کے مؤمنینِ قانتین تقدیر کا مفہوم صرف اتنا جانتے تھے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت‘ ہمارے نفع ونقصان‘ سود وزیاں‘ داد وستد‘ سلب وعطا‘ اور حیات وممات کی مالک نہیں‘ صرف خدائے یگانہ وقہار ہی کی ذات ہر قسم کے احکام نافذ کرتی ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اس عقیدہ نے عرب کے بادیہ نشینوں میں اتنا جوش وولولۂ عمل اور استقلال وثباتِ قدم پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے قیصر وکسریٰ کی تخت گاہوں کو اُلٹ دیا‘ اُس وقت تو ایک ایک قطرہ طوفان در بغل تھا‘ اور اب سب کے سب یاس وحسرت کی تصویر بنے ہوئے ہیں‘ **فشتان بینهما**۔

(۴) **جہاد فی سبیل اللّٰہ**‘ بہت سی زبانیں تو اس کے ذکر ہی سے گنگ ہیں‘ شیاطین الانس کا خوف ان کے رگ و پے میں اس درجہ اثر کیے ہوئے ہے کہ وہاں اللہ کے خوف کے لیے جگہ نہیں: ﴿یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً﴾ (النساء:۷۷) اور جنہیں ابھی بولنے کی طاقت حاصل ہے وہ اسے جہاد بالنفس پر محمول کرتے ہیں اور ”رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ“[1] کی غلط اور موضوع حدیث سے ان کا نفس خادع تمسک واعتصام کرتا ہے۔ گویا ابلیس نے ان علمائے سُو کو اپنے اعمالِ شیطانی کے لیے ایک آلہ بنا لیا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے‘ لیکن قرآن حکیم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴﴾ (الصف)

”بے شک اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔“

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جن لوگوں سے تمام تعلقات وروابط منقطع کیے گئے وہ وہی تین جلیل القدر صحابہ تھے جو کاہلی کی بنا پر جنگ تبوک میں شریک نہ ہوئے:

﴿وَّعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝۱۱۸﴾ (التوبة)

”اور اُن تین پر بھی جو بانتظارِ امرِ خدا ملتوی رکھے گئے تھے‘ یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی ان پر تنگی کرنے لگی‘ اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کی گرفت سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں‘ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی تاکہ وہ آئندہ کے لیے توبہ کیے رہیں۔ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔“

جو لوگ جہاد میں شریک نہ ہوں ان کی نسبت فرمایا کہ نہ صرف یہی مصیبتوں اور تکلیفوں کا نشانہ بنیں گے بلکہ ان کی وجہ سے تمام قوم مبتلائے آلام ہوگی:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵﴾ (الانفال)

”اور اس بلا سے ڈرتے رہو‘ جو خاص کر ان ہی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی

(۱) الاسرار المرفوعة لملا علی قاری: ۲۱۱۔ قیل لا اصل له او باصله موضوع۔

ہے' بلکہ سب اس کی زد میں آ جاؤ گے' اور جانتے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔''

جس طرح ہر شخص اپنی انفرادی زندگی کے بقاو قیام کے لیے ہر قسم کی جدوجہد کرتا ہے' ٹھیک اسی طرح قرآن حکیم نے تمام مسلمانوں پر حیات اجتماعی کے قائم و دائم رکھنے کے لیے جہاد کو لازم اللوازم قرار دیا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال: ٦٠)

''اور سپاہیانہ قوت اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے لیے ساز و سامان مہیا کیے رہو' کہ ایسا کرنے سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔''

پھر نبوت کے اعمالِ مہمہ میں سب سے اشرف و اعلیٰ مقام اسے نوازش کیا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ﴾ (الانفال: ٦٥)

''اے نبی! مسلمانوں کو جنگ و قتال کرنے کے لیے اُبھارو۔''

عالم الغیب والسرائر کو اس امر کی اطلاع تھی کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کی تمام تر زندگی بطالت و بدعملی' اور جبن و نامردی کی تصویر ہوگی۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراش کر نفس خادع کے فریب میں مبتلا ہو جائیں گے اور قتال فی سبیل الحق والحریۃ ترک کر دیں گے' اس لیے سورۃ التوبہ میں ان کے ایک ایک عذرِ لنگ کو بیان کیا' ہر ایک کی حقیقت آشکارا کر دی' اور بتا دیا کہ تمہیں کسی طرح بھی اس فرضِ اَہم و اَقدم سے نجات نہیں مل سکتی۔ یہ فوجی خدمت ہر مسلم مرد و عورت' امیر و غریب' بادشاہ و فقیر اور آقا و غلام پر لازمی ہے' اور اس سے کسی کو حق استثناء حاصل نہیں۔ ہم اس وقت صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں' تفصیل کا مقام دوسرا ہے:

(الف) مخالفین و معاندین اسلام نے اپنی مجتمعہ قوت سے اسلامی حکومتوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا ہے' مسلمانوں کے تمام بلاد و امصار تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ حمیتِ مذہبی کی وجہ سے مسلمان مقابلہ کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ دشمنانِ دین فوراً اپنے مواعید کاذبہ کا اعلان کر دیتے ہیں کہ فرزندانِ اسلام کے تمام حقوق کی حفظ و نگہداشت کی جائے گی' ان کے مقدس مقامات کا احترام کیا جائے گا اور ان کے مذہبی و سیاسی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت روا نہ رکھی جائے گی۔ اس قسم کی دل فریب باتیں سن کر اکثر حیلہ جُو طبیعتیں پکار اُٹھتی ہیں کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرنا حد درجہ کی سفاہت و بداخلاقی ہے۔ یہ تو پیکر فرشتگی و ملکوتیت ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ان پر اعتماد کرنا جہل و نادانی ہے' وہ کبھی اپنا وعدہ پورا نہ کریں گے:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ﴾ (التوبۃ: ١٧)

''مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد رکھیں اور اپنے اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے جائیں۔''

(ب) مسلمان اپنے گھروں میں نیک کام کرتے ہیں' علمائے کرام قرآن و حدیث کے درس میں مصروف ہیں' گروہ صوفیہ اپنی خانقاہوں میں اللہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے کہ تزکیۂ نفس حاصل ہو' ہزاروں لاکھوں انسان ہیں جو ان سے اپنی تشنگی کو دور کرتے اور سیراب ہو ہو کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ یہ لوگ ان اعمالِ صالحہ کو پیش کر کے اپنے آپ کو قتال فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن لسانِ الٰہی ان بدبختانِ ملت کو ظالم قرار دیتی ہے:

﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۹﴾ (التوبۃ)

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور خانہ کعبہ کے آباد رکھنے کو اس شخص کی خدمتوں جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے؟ اللہ کے نزدیک تو یہ برابر نہیں' اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔''

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے اپنے سال کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا' تین ماہ تجارت کرتے' تین ماہ درسِ حدیث میں مصروف رہتے' تین مہینوں میں حج ادا کرتے اور باقی ایام جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کرتے۔ انہوں نے حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو خط بھیجا جو اُس وقت بیت اللہ میں معتکف تھے اور حضرت عبداللہ مصروفِ جہاد۔ اس خط کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

يا عابدَ الحرمين لو ابصرتنا
لعلمت انك بالعبادة تلعب!

فضیلؒ رو پڑے اور کہا ابوعبدالرحمٰن سچ کہتا ہے۔

(ج) دُنیاوی ضرورتیں' ماں باپ کی محبت' رشتہ داروں کی خبر گیری' مساکین و غرباء کی اعانت' اور زمین و جائیداد کی حفاظت' ان میں سے ایک چیز بھی جنگ سے مستثنیٰ نہیں کر سکتی:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴿۲۴﴾ (التوبۃ)

''کہہ دو اگر تمہارے باپ' بیٹے' بھائی' بیویاں' کنبے اور مال جو تم نے کمائے ہیں' سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو' اور مکانات جن کو تمہارا جی چاہتا ہے' اللہ' اُس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو صبر کرو' یہاں تک کہ جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے۔ اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جو سرتابی کریں۔''

(د) قلتِ تعداد' فقدانِ اسباب اور صنعتِ ظاہری کی بنا پر جہاد کو ترک نہیں کیا جا سکتا:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴿۲۵﴾ (التوبۃ)

''اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے' اور حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا' تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت لگی تم پر تنگی کرنے' پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔''

(ہ) تاجرانہ تعلقات اور ملازمت کے روابط کی بنا پر کسی قوم سے جنگ کو ملتوی نہیں کیا جا سکتا' اور یہ خیال نہ ہو کہ اس سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمدنی کے تمام ذرائع مسدود ہو جائیں گے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ﴾ (التوبۃ:۲۸)

''مسلمانو! مشرک تو گندے ہیں' تو اس برس کے بعد حرمت والی مسجد کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں' اور اگر ان کے ساتھ لین دین بند ہو جانے سے تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو اللہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔''

پس ان تمام آیات نے واضح کر دیا کہ جب تک آنکھوں میں بصارت ہے' کان سن سکتے ہیں' ناک سونگھ سکتی ہے' زبان میں قوتِ گویائی' ہاتھوں میں پکڑنے کی طاقت' اور پاؤں میں چلنے کی قابلیت ہے' ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کرے' تمام محبتوں اور چاہتوں پر اس کی شیفتگی و وارفتگی غالب رہے' اس کا سودا سر میں ہو اور اسی کی زنجیر پاؤں میں ہو کہ یہی اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰہِ ہے' یہ سنام الاسلام ہے' یہی عُصارۂ ایمان اور مغزِ عبادت ہے:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٧٨﴾﴾ (الحج)

''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو' جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اس نے تم کو تمام دنیا کی قوموں میں سے برگزیدگی اور امتیاز کے لیے چُن لیا' پھر جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے جس میں تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں! یہی ملّت تمہارے مورثِ اعلیٰ ابراہیم خلیل کی ہے' اور اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے گزشتہ زمانوں میں بھی اور اب بھی' تاکہ رسول تمہارے لیے اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کے لیے شاہد ہو۔ پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کے رشتہ کو مضبوط پکڑو (یعنی جان اور مال دونوں کو اس کی عبادت میں لٹاؤ) وہی تمہارا آقا اور مالک ہے (اور پھر جس کا خدا مالک و حاکم ہو) اس کا کیا اچھا مالک ہے اور کیسا قوی مددگار!''

احادیث نے اس کی اہمیت کو اور زیادہ کھول کر بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ))(۱)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں' پھر شہادت کا درجہ حاصل کر کے زندہ کیا جاؤں' پھر شہید ہو کر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں۔''

دوسری حدیث میں کہا:

((رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا))(۲)

''ایک دن اللہ کی راہ میں چوکیداری کرنی بہتر ہے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب تمنی الشهادة۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارة' باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللّٰه۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب فضل رباط یوم فی سبیل اللّٰه۔ وسنن الترمذی' ابواب فضائل الجهاد عن رسول اللّٰه ﷺ' باب ما جاء فی فضل المرابط۔

جس شخص نے جہاد کا ایک لمحہ کے لیے بھی ارادہ نہ کیا ہو اور اسی حالت میں مرگیا ہو اس کی نسبت فرمایا کہ وہ منافق کی موت مرا ہے:

((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ))(۱)

''جو شخص مرگیا' نہ تو اس نے اپنی زندگی میں کبھی جہاد کیا اور نہ اس کے کرنے کا ارادہ ہی دل میں پیدا ہوا' وہ نفاق کی موت مرا۔''

ایک موقعہ پر یوں ارشاد ہوا:

((اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ)) (۲)

''جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں۔''

## غلط فہمی کے اسباب

آیات کا مفہوم سمجھنے میں اکثر غلطیاں اس لیے سنگ راہ ہوگئیں کہ باریک بین نگاہوں نے الفاظ کو موشگافی کی نظر سے دیکھا' اور جب اس سے بھی سیری نہ ہوئی تو دامانِ نگاہ کو تنگ کرنے کے لیے ہر قسم کی تاویلات سے مدد لی اور بات کہیں سے کہیں جا پڑی۔ بے شبہ قرآن حکیم کا مفہوم اور مطلب سمجھنے کے لیے سخن فہم اور نکتہ سنج طبیعت کی ضرورت ہے' لیکن اسی کے ساتھ ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد کے اصول سے بھی علیحدگی ممکن نہیں۔ قرآن کے پڑھنے والے کو جس علم و فن پر عبور لازم ہے وہ اُسوۂ حسنہ رسول اللہ ﷺ ہے' جس کی ناواقفیت سے تفسیر میں صدہا مشکلات پیدا ہوگئی ہیں۔

دوسری غلط فہمی شانِ نزول کے متعلق پیدا ہوگئی' ہر آیت کے لیے کوئی نہ کوئی واقعہ فرض کرلیا گیا' پھر اس کے مطالب کو اسی مخصوص حادثہ میں محدود کر دیا۔ ان میں بیشتر وہ واقعات تھے جو اہل کتاب سے منقول اور اس لیے ناقابل اعتماد تھے' مگر ان اربابِ تفسیر نے ان اسرائیلیات کو اصل واساس قرار دے کر قرآن کی تفسیر لکھی' اور اس طرح اس کتاب کی اجتماعی اور محیط الکل حیثیت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ قرآن کو افسانہ گوئی کی کتاب بنا دیا' قصۂ یوسفؑ' واقعہ حسن و عشق بن گیا اور اب تو عام زبانوں پر جاری ہے:

کہ من اسیر بمعشوق او بفرزند است!

سلیمان علیہ السلام کے عجائب و غرائب تو زبان زد خاص و عام ہیں' ہاروت و ماروت کا ذکر بھی اسی قبیل سے ہے۔

قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ اُمتوں کے واقعات اس لیے بیان کیے جاتے ہیں کہ لوگ ان سے بصیرت اندوز ہوں' ان سے استخراج واستنباطِ نتائج وشواہد کریں' جہانگیری و جہانداری کے اصول وضوابط کی تعلیم ہو۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الامارة' باب ذم من مات ولم یغز ولم یحدث نفسه بالغزو۔ وسنن النسائی' کتاب الجهاد' باب التشدید فی ترك الجهاد۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الامارة' باب ثبوت الجنة للشهید۔ وسنن الترمذی' ابواب فضائل الجهاد' باب ما ذکر ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف۔

پھر مصیبت یہ ہوئی کہ قرآن کے تخاطب کو صرف عرب کے لیے مخصوص کر دیا' کہا کہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ سے مراد کفارِ مکہ ہیں اور یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا روئے سخن اہلِ مدینہ کی جانب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نزولِ قرآن کے وقت اوّلین مخاطب یہی لوگ ہیں' مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا کی باقی قومیں اور آنے والی نسلیں ان آیات کی مخاطب نہیں بن سکتیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اختلف اهل الاصول هل العبرة بعموم اللفظ او بخصوص السبب والارجح عندنا الاول

''اہلِ اصول کا اس امر میں اختلاف ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا یا خصوص سبب کا' ہمارے نزدیک قول اوّل ہی ارجح واقویٰ ہے۔''

باوجود اس قسم کی تصریحات کے متاخرین نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اسی کا آج اثر ہے کہ صرف برکت اور بزرگی کی خاطر قرآن کی تلاوت ہوتی ہے' اس لیے کہ لوگوں کے نزدیک اس کے مخاطب عرب تھے نہ کہ ہم۔ انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ قرآن بار بار درس ومطالعہ کی دعوت دیتا ہے' محض الفاظ پر زور دینا اور حقیقت سے غافل رہنا شریعت کے نزدیک بے کار ہے۔ اس کا روئے سخن عالمگیر ہے وہ ایک بین الملی جامعہ کے قیام کے لیے آیا ہے' وہ ہماری انفرادی واجتماعی خرابیوں کا تذکرہ کرتا ہے' ان کی اصلاح وتہذیب کے لیے مرتب قانون پیش کرتا ہے' مگر چونکہ یہ حقیقت پیش نظر نہیں' اس لیے ہماری قوتیں بے کار ہو گئیں' اپاہجوں کی اُمت بن گئے' احیاء اور تجدید کی ضرورت محسوس ہوئی تو یورپ کی جانب دیکھا اسی کی تقلید اعمیٰ کی زنجیروں نے ہمارے پاؤں کو بوجھل کر دیا۔

اقسام القرآن کا علم نہایت ہی معنی خیز اور لطیف و دلآویز تھا' جس سے صدہا سرائر ومحجوباتِ فطرت کا کشف وبروز ہوتا تھا' مگر اوّل تو ان کی نظر ہی وہاں تک نہ پہنچی' اور اگر امام فخر الدین رازی کو کچھ تنبہ ہوا بھی تو اتنا سا کہہ کر رہ گئے کہ قسمیں صرف ان چیزوں کی بیان کی جاتی ہیں جو جلیل القدر ہوں۔

قرآن حکیم میں بار بار کہا گیا کہ جو لوگ ایمان باللہ اور عمل صالح رکھتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوں گے' زندگی کے ہر شعبہ میں شادکام وبامراد رہیں گے' اور کبھی انہیں حزن وملال نصیب نہ ہوگا۔ اربابِ تفسیر نے اس امر پر مہر لگا دی کہ اعمالِ صالحہ کے جن نتائج وثمرات کا ذکر کیا گیا ہے' وہ قیامت کے لیے مخصوص ہیں' دنیا میں مسلمان ذلیل ورسوا رہیں گے۔ اس خیال نے پختگی پیدا کی' اور اب تو یہی عقیدہ ہر مسلمان کے قلب ودماغ پر حاوی ہے۔ پس مسلمان دنیا کی جانب سے غافل ہو گئے' اور محکومانہ زندگی پر قناعت کر بیٹھے' مگر قرآن کہتا ہے:

﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (الزمر:٢٦)

''جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں' انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کو عذاب نے ایسی طرف سے آلیا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی۔ ان کو اس دنیا کی زندگی میں اللہ نے ذلت کا مزا چکھایا۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ﴾ (البقرۃ:۸۵)

''تو کیا کتابِ الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو' اور بعض کو نہیں؟ پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں گے' اس کے سوا ان کا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کو ذلت ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں۔''

ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ﴾ (آل عمران:۱۱۲)

''جہاں دیکھو ذلت ان پر سوار ہے' مگر اللہ اور نیز لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے کہیں ان کو پناہ مل گئی تو دوسری بات ہے' اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں' اور محتاجی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑگئی ہے۔''

یہ تمام آیات اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں کہ ذلت و مسکنت' خسران و خذلان' اور غلامی و محکومی اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذابِ شدید کی نشانیاں ہیں' البتہ جن اربابِ قدس و طہارۃ کو وہ اپنے فضلِ مخصوص کے لیے چن لیتا ہے' ان کو جنتِ ارضی' خلافتِ الٰہی' اور سرفرازی و سربلندی نوازش کرتا ہے' چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران)

''اور نہ ہمت ہارو' اور نہ غم کرو' تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔''

پھر کہا:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝﴾ (الانبیآء)

''اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہوں گے۔''

اس سے زیادہ اور کیا صداقت ہوسکتی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور:۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں' ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو سلطنت ضرور عطا کرے گا۔''

سیاست تو ان کے نزدیک شجرۂ ممنوعہ سے کم نہ تھی' اس کا قرب و اتصال بھی ان کے لیے ارتکابِ کبیرہ کے برابر تھا' اور بعض نکتہ آفریں طبائع نے تو اپنی بدمذاقی کا یہاں تک ثبوت دیا کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی تفسیر میں لکھا کہ اس میں جس درخت کے قریب جانے کی ممانعت کی گئی ہے وہ یہی سیاست ہے۔ اس خیرہ نظری کی انتہا یہ ہوئی کہ مذہب اور سیاست کو دو جداگانہ چیزیں سمجھا جانے لگا۔ اب تو ہر شخص اس کو مسلمانوں کے مسلمہ عقائد میں سے تسلیم کرتا ہے' اور اربابِ عمائم اپنے مواعظ و خطب میں بانگِ دہل کہہ اٹھتے ہیں کہ مذہب کا حلقہ دوسرا ہے اور سیاست کا دوسرا۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ!

آہ! ان بدبختانِ ملت کو یہ تمیز نہ رہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ معجزاتِ قاہرہ اور بشاراتِ عظیمہ دے کر فرعون کے پاس بھیجتا ہے' فرعون مشرک بھی ہے' مے نوش بھی ہے' بدکار بھی ہے' فاسق بھی ہے' فاجر بھی ہے' غرض وہ سب کچھ ہے جو دنیا کا ایک سیہ کار اور شریر و ظالم انسان ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر برحق تھے۔ توحید الٰہی' ردِّ شرک واَصنام پرستی' تزکیۂ نفس واَخلاق' درسِ کتاب و حکمت' ان کے فرائض نبوت کے حقیقی ارکان ہیں۔ ان کا مخاطب ایک مشرک و فاجر بادشاہ اور ایک مشرک و فاجر حکمران قوم تھی۔ اگر سیاست اور دین دو الگ الگ چیزیں ہیں' جیسا کہ نادانی اور جہل کے ابلیس نے تمہیں سمجھایا ہے' اور اگر ایک قوم کو غلامی سے نجات دلانا ایک غیر دینی عمل ہے' جیسا کہ بدبختانہ تم سمجھتے آئے ہو' تو اب ضرور تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت وتبلیغ بھی اس چیز سے بالکل علیحدہ رہتی جس کا نام تم نے سیاست رکھا ہے۔ وہ آتے اور فرعون سے سب کچھ چاہتے مگر وہ نہ چاہتے جو نہ تو دین ہے اور نہ پیغمبرانہ دعوت کا کوئی جز وحقیقی' مگر قرآن حکیم تمہارے سامنے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو نہ تو توحید کی دعوت دی' نہ اُس کی شراب کی بوتلیں توڑ ڈالیں' نہ اس کی سیاہ کاریوں کا جائزہ لیا' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دعوت کا صرف ایک ہی مقصد بتا کر رخصت کیا:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾﴾ (طٰہٰ)

''فرعون کے پاس جاؤ' کیونکہ وہ بڑا سرکش اور ظالم ہو گیا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس آئے اور انہوں نے بجز اس کے اور کچھ نہ کہا:

﴿اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾﴾ (الدّخان)

''اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو مجھے واپس دے دو (جسے تم نے اپنا محکوم بنا رکھا ہے) میں تمہارے پاس ایک امانت دار رسول بن کر آیا ہوں۔''

تم نے غور کیا' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے آگے اپنی تبلیغ کا یہ مقصد نہیں کہا کہ فسق و فجور چھوڑ دو' گناہ اور شرارت سے باز آ جاؤ' نیک زندگی اختیار کرو' پاک طریقوں پر عمل کرو' بلکہ اوّلین مطالبہ یہ کیا کہ خدا کے جن بندوں کے پاؤں میں تو نے اپنی محکومی اور غلامی کی زنجیریں ڈال دی ہیں انہیں چھوڑ دے اور مجھے واپس دے دے' خدا نے مجھے اس قوم کا امین بنایا ہے' اس کے بندوں کو میں آزادی دلاؤں گا' محکومی کی جگہ ایک حکمران قوم بناؤں گا' خدا کے بندے خدا کی امانت ہیں' تو ظالم و مستبد ہے' اس لیے تو اس امانت کا مستحق نہیں' یہ شرف اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے کہ میں اس امانت کو ٹھیک ٹھیک اپنے پاس رکھوں گا۔

یہ مطالبہ اگرچہ نہایت مختصر الفاظ میں کیا گیا' لیکن درحقیقت وہ سیاست کی روح' سیاست کا مغز اور سیاست کی حقیقی تفسیر تھا۔

## دعوت وتبلیغ

اب ہم اتنی منازلِ مختلفہ طے کرنے کے بعد مذہب کے اس اَہم واَقدم باب کی طرف توجہ کرتے ہیں' جس میں داخل ہونے کے بعد ہر قوم نے کامرانی وسربلندی کی راہیں اپنے سامنے کشادہ پائی ہیں' اور جہاں ذرا سی

زَلّتِ قدم نے ان کو ہمیشہ کے لیے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔

اسلام سے قبل جس قدر اقوام وامم اس زمین کی پشت پر پیدا ہوئیں' اگر ان کے تنزل وانحطاط کے اصولی اسباب ومراتب کا درس ومطالعہ کیا جائے تو سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز علت یہی نظر آئے گی' جو تمام امراض ومفاسدِ ملی کے لیے بمنزلہ اصل واساس کے کام دے گی' کہ امت کے تمام افراد نے تبلیغ ودعوت کے اہم واقدم فرض سے بُعد وہجر اختیار کیا' انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ برائی کا ارتکاب کیا جارہا ہے مگر ٹس سے مس نہ ہوئے۔ گویا آنکھیں اس لیے نہ دی گئی تھیں کہ ان سے دیکھنے کا کام لیتے: ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج)

پھر اس کے ساتھ دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ ایک مخصوص گروہ نے دعوت واصلاح کو اپنے اندر محدود کردیا کہ کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق حاصل نہیں۔ ہندوؤں میں صرف برہمن ہی ویدوں کے عالم بن سکتے ہیں' دوسروں کو صرف ان معبودانِ باطل کی رسوم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ رومن کیتھولک کے فادروں نے کتاب مقدس کے اسرار وخزائن پر قبضہ کرکے اپنے آپ کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا درجہ دیا۔

قرآن حکیم کا نزول ہوا کہ وہ ان بیڑیوں کو کاٹ دے جو لوگوں کے پاؤں میں ڈال دی گئی ہیں۔ اُس نے ہر مسلم کا فرض قرار دیا کہ وہ مبلغ ہے اور اسلام وقرآن کی آواز دنیا کے گوشہ اور کونہ کونہ میں پہنچانا اس کا مقصد حیات۔ اس نے صاف صاف اعلان کردیا کہ:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''لوگوں کی راہنمائی کے لیے جتنی امتیں پیدا ہوئی ہیں ان میں تم سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے' اور برے کام سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرۃ: ۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا تا کہ لوگوں کے راہنما بنو۔''

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (الحج)

''اگر حاکم بنا کر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' لوگوں کو اچھے کاموں کے لیے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔ اور سب چیزوں کا انجام کار اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

یہ تمام آیات بغیر کسی اختلاف وتفریق کے بانگِ دہل اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہیں کہ مسلمان صرف اس غرض کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں کہ وہ ہر نیکی کے آمر اور ہر برائی کے ناہی ہیں' تبلیغ ودعوت ان کا طغرائے امتیاز ہے' جو ان کو باقی تمام اقوامِ عالم سے نمایاں کرتا ہے۔ اس کا ہر ہر فرد پیکر دعوت واصلاح ہے اور اس میں کسی ایک گروہ کی تخصیص نہیں' بلکہ یہ فرضِ عام اور سب پر فرداً فرداً حاوی۔

سورۃ العصر نے تو کامیابی اسی تبلیغ واشاعت ہی کو قرار دیا کہ اگر فرزندانِ اسلام تواصی بالحق وتواصی بالصبر نہ کریں گے تو خسران وخذلان اور ذلت وادبار میں مبتلا ہوں گے اور پھر وہی لوگ مستوجب عقوبت نہ ہوں گے جنہوں نے تبلیغ وارشاد کو اپنی زندگی کا مقصدِ اصلی قرار دیا اور اس کے ادا کرنے میں تساہل سے کام لینے لگے بلکہ پوری اُمت کی امت مبتلائے آلام ہوگی۔ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ (الانفال:۲۵)

جبکہ ہر مسلم داعی الی الحق پیدا کیا گیا تھا تو کیسے ممکن تھا کہ لسانِ نبوت خاموش رہتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس موضوع پر کسی قسم کی روشنی نہ ڈالتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ:

((بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً))(۱) ”اگر ایک آیت بھی جانتے ہو تو اس کی نشر واشاعت کرو۔“

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى اَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعَى لَهُ مِنْهُ))(۲)

”ہر وہ شخص جو اِس وقت موجود ہے غائب کو اس کی اطلاع کر دے ممکن ہے جس کو اس کی خبر پہنچے وہ مبلغ سے زیادہ صاحبِ فہم وفراست ہو۔“

پھر ایک جگہ فرمایا:

((مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ)) (۳)

”تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ طاقت سے کام لے کر اس کو روکے اگر قوت نہیں تو زبان سے ورنہ دل سے ضرور ہی برا جانے اور یہ ضعیف ترین درجہ ایمان ہے۔“

مزید تاکید کے بعد ارشاد کیا:

((اَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ))(۴)

”تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کی بابت سوال کیا جائے گا۔“

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں اس کی اہمیت کو واضح کیا:

لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّيْ اُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَبْلَ اَنْ تُجِيْزُوْا عَلَيَّ لَاَنْفَذْتُهَا(۵)

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔ وسنن الترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم رب مبلغ أوعی من سامع ۔ ومسند احمد، ح ۱۹۴۹۳ (الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث صحاح ستہ میں متعدد مقامات پر آئی ہے۔)

(۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان......

(۴) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللّٰہ تعالٰی واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور متعدد دیگر مقامات۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر......

(۵) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل...... (فی ترجمۃ الباب) وسنن الدارمی، المقدمۃ، باب البلاغ عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعلیم السنن۔

''اگر تم تلوار کو میری گردن پر رکھ دو اور مجھے یہ توقع ہو کہ گردن کٹنے سے قبل میں ان کلمات کی تبلیغ کر سکوں گا جو میں نبی علیہ السلام سے سن چکا ہوں' تو ضرور کہہ کے رہوں گا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاتِ مقدس اس امر کی شاہد ہے کہ ان میں ایک ایک فرد مجسم دعوتِ اسلام تھا۔ وہ کہیں جاتے' تبلیغ کا درد ان کے دل میں تھا' ان کا ہر اقدام وادبار اسی غرض کے لیے ہوتا' تجارت تھی تو اسی کے لیے' زراعت تھی تو اسی کی خاطر' بلادِ بعیدہ اور ممالک اجنبیہ کے دور دراز سفر تھے' جنگلوں اور بیابانوں کی بادیہ پیمائی تھی' پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں' سمندروں اور دریاؤں کی طوفان خیز موجیں' آندھیوں اور طوفانوں کی ہلاکت خیز بربادیاں' ان کی راہ میں حائل تھیں' مگر ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے لیے تنگ راہ ثابت نہ ہوئی۔ قید خانوں کی کوٹھری میں بھی وہ اُسوۂ یوسفی کو ہاتھ سے نہ دیتے اور برابر تبلیغ میں مصروف رہتے۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر زندگی اسی فرضِ جلیل کے ادا کرنے میں گزر گئی' لوگوں نے آپ پر پتھر برسائے' گالیاں دیں' مجنون وساحر کہا' کس لیے؟ صرف اس لیے کہ وہ داعیِ حق' ناشر صداقت اور مبلغ قرآن تھے۔

لیکن آہ ثم آہ! مسلمانوں نے اس اُسوۂ حسنہ کو ترک کر دیا' اس سے بُعد وہجر اختیار کیا اور اس کو **وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ** پھینک کر یقین کر لیا کہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ لیکن صدیوں کے تجربہ نے آج اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ جب تک ہر فرزند اسلام قرآن حکیم کی دعوت کے لیے سر بکف کوشش نہ کرے گا' اور اس کتاب عزیز کو لے کر سرفروشانہ اقدام نہ کرے گا' اُمت مسلمہ کا تنزل وانحطاط سے نجات حاصل کرنا محالِ قطعی ہے۔

چند ابتدائی صدیوں تک مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ تبلیغ ودعوت ہر مسلمان کا فرضِ حیات ہے' مگر آخر جمود و استبداد نے ان کی قوتوں کو پامال کر دیا اور گروہ علماء نے اس پر قبضہ کر لیا۔ گویا یہ اقلیم فرمانروائی تھی جو صرف انہی کے لیے مخصوص تھی' لیکن آج وہ بھی اپنے فرض سے غافل اور خانقاہوں میں تسبیح وسجادہ پر قانع ہیں۔

پس وقت آ گیا ہے کہ ہر وہ مسلم جس کے دل میں اسلام کا درد اور دین کی ٹھیس ہے میدانِ عمل میں آگے بڑھے اور قرآن کی نشر واشاعت میں لگ جائے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ﴾ (الانعام:۱۵۳)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین ۔ ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم


جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 40 روپے　　اشاعت عام: 15 روپے